اسلامی تصوف : ایک تنقیدی جائزہ

برصغیر ہند میں سلاسل صوفیاء کی آمد بالخصوص چشتی سلسلہ اور اس کے اثرات

ڈاکٹر سید لیاقت حسین معینی
گدی نشین، درگاہ شریف، اجمیر

ا۔ اسلامی تصوف پر ایک طائرانہ نگاہ

تصوف خالص اسلامی ہے جس کی فکری اساس وبنیاد قرآن کریم حدیث وسنت نبویؐ واقوال زریں بزرگان دین وعلمائے امت پر مبنی ہے۔ تاریخ تصوف کے کامل واول ترین صوفی نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی ہے جن کے ذکر وفکر، صبر ورضا توکل وزہد خشیت وعشق الٰہی، حق شناسی، تبلیغ وہدایت، شریعت ومعرفت جملہ مکارم اخلاق اہل بیت اطہارؑ اورصحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، تابعین تبع تابعین۔ ائمہ۔ امامین صلحاء، فقراء، اولیاء واہل اللہ کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے لئے مشعل راہ بنے اور جو ان آداب واخلاق اوصاف حمیدہ کو اپنا نصب العین اور طرۂ امتیاز بنا کر تزکیۂ نفس کے ذریعہ فنا فی اللہ کے راستہ پر گامزن ہو کر کامیاب دوجہاں رہے۔

حضور اکرمؐ کے ''اخلاق اعلیٰ اور'' خلق عظیم'' کو بارہا قرآن میں بیان کیا گیا ہے۔ ان کا خلق قرآنِ ناطق تھا۔ مادی دنیا کے مقابلہ آخرت کو ترجیح دنیاہی حقیقتاً تصوف ہے۔ فنا فی اللہ کے ساتھ خدمت خلق صوفیاء کا نصب العین رہا ہے۔'' تصوف ہر اچھے وپاکیزہ اخلاق میں داخل ہونے کا اور برے عادات سے بچ نکلنے کا نام ہے جس کے جتنے پسندیدہ اور پاکیزہ اخلاق ہوں گے وہ اتنا ہی عظیم اور بڑا صوفی ہوگا۔'' (امام محمد باقرؒ)

شیخ علی ہجویری لاہوری صاحب ''کشف المحجوب'' اس کی تشریح یوں فرماتے ہیں کہ پاکیزہ اخلاق واوصاف (آداب) کی ۲ اقسام میں اک خداوند عالم کے ساتھ اور دوسری خلق خدا کے ساتھ محبت دنباہ ہے۔ حق تعالیٰ کے ساتھ نیک خوئی یہ ہے کہ فضا وقدر پر راضی رہے۔ خلق کے ساتھ نیک خوئی یہ ہے کہ رب کے خاطر مخلوق کی صحبت کا بار اٹھائے (برداشت کرے) اور اُف نہ کرے۔

حقیقتاً تصوف اخلاقی زندگی کا ایک نظام اور نظام کائنات کی اک مکمل توجیہ پیش کرتا ہے۔ سیرت کی تربیت اور شخصیت کی تعمیر انسانی زندگی کا سب سے مشکل وکٹھن مگر اہم ترین مرحلہ ہے جس کو خلوص نیت ، انہماک خیالات اور اعلیٰ ترین اخلاق وعادات واطوار و آداب سے اکبر صوفیائے کرام نے بڑی خوش اسلوبی اور کامیابی کے ساتھ انجام دیا اور پایۂ تکمیل کو پہنچایا جس کی مثال تاریخ دینے سے قاصر ہے۔

اگر مستشرقین(Orientalists) اس پر حیرت زدہ نظر آتے ہیں کہ سیاسی اسلام کے تاریک ترین دور میں اور زوال پزیر ساعتوں میں مذہبی روحانی ثقافتی (تصوف) اسلام نے حیرت انگیز ونمایاں کامیابیاں حاصل کیں اور ترقی کے سلسلہ کو جاری وساری رکھا۔ پروفیسر ایچ گب کے مطابق ایسے مواقع پر اسلامی کلچر (تصوف) نے سیاسی اسلام کو اتنی توانائی اور مدد بخشی کہ وہ مغلوب نہ ہوسکا اور بالآخر کامیاب سرخرو ہوا۔ بقول شاعر مشرق پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانہ سے۔

یہ خیال کے تصوف غیر اسلامی ہے اور جہلا کا مسلک ہے۔خود ایک ''عظیم جہالت'' ہے۔ یقیناً کچھ بیرونی (باہری) عناصر بشکل فلسفہ و رسم ورواج معمولات سماجی وثقافتی پس منظر میں اثر انداز ہوئے مگر ان کی شمولیت واہمیت برائے نام ہے۔تصوف خالص اسلامی رنگ وادب وخدوخال لئے ہوئے ہے۔

تصوف اقرار باحق اور فرار دنیا وخلق کا نام ہے۔علم دین وشریعت ومعرفت کے ماہر علم دار ہر دور میں تصوف کی کٹھن منازل پر گامزن رہے اور نہ صرف قرب الٰہی حاصل کرتے رہے بلکہ مخلوق خدا کو بھی سیراب وشفاف کرتے رہے۔ ان کی زندگیوں اور کرداروں میں شریعت وطریقت اس طرح سماتے گئے کہ اک پاک وصاف پاکیزہ سماج کی تشکیل ہوتی گئی اور انسانیت کا بقا ہوتا رہا۔ یہ روحانی واخلاقی معراج نہ مودویت کی ''خیسہ بیگم'' ہے نہ مارکیست کی ''افیونی گولی'' ہے۔

۲۔صوفی کی تعریف اور اولین صوفیاء:

لفظ ''صوفی'' کے عالم وجود میں آنے پر مختلف رائیں اور تحقیقات ہیں۔ صفا۔بمعنی صفائی قلب) صفہ اشارہ (اصحاب صفہ) صف (صف اوّل جماعت میں) صوف (گڈرا ر پشمینہ)صفی (یونانی اس فلسفہ ر فلسفہ وغیرہ وغیرہ الفاظ اس لفظ کی پیدائش کے ساتھ جوڑے اور منسلک کئے جاتے رہیں ہیں۔ اگر ان سبھی الفاظ کی خوبیوں کا تجزیہ کرکے ایک مرکب مجموعہ ذات مان لیا جائے تو جس

مکمل صاف وشفاف شخصیت کا وجود عمل میں آتا ہے وہ حضرت ''صوفی'' ہیں۔ بالفاظ دیگر قلب کی صفائی، کردار واذکار اصحاب صفہ، ریاضت وعبادت الٰہی میں صف اوّل، یشمیہ گڈری پہچان فقر، اور فلسفہ ٔ حکمت سبھی صوفی کے طرہ امتیاز رہے ہیں۔ علامہ ابن جوزی کے مطابق قبل از ظہور اسلام عرب میں ایسے عابد وزاہد حضرات موجود تھے جو اکثر خاموشی سے کعبۃ اللہ میں حاضر ہوکر دنیا سے بے نیاز عبادت الٰہی وخدمت کعبہ (رسم صفائی وغیرہ) ادا کرکے چلے جاتے تھے۔ ان کو اس وقت لوگ ''صوفی'' کہا کرتے تھے۔ اسلام میں اس ذوق ومشرب ومذاق کے لوگوں کو صوفی اسی پس منظر میں کہا گیا ہے۔ عربی شاعری میں قبل از اسلام اکثر صوفی لفظ استعمال اسی انداز میں ہوا۔ اس سے ثابت ہوگیا کہ صوفی لفظ قدیم ہے۔ بقول پروفیسر کے اے نظامی ان حضرات کو ''خادم کعبہ'' بھی کہا جاتا تھا اور صوفی خدمت خلق کو رب کعبہ تک پہنچنے کا ذریعہ مانتے ہیں لہٰذا یہ اصطلاح لفظ ''صوفی'' کے قریب ترین معلوم ہوتی ہے۔ الفقر الفخری کا حضور اکرمؐ کا یہ لطیف اشارہ یہی ہے کہ مجھے فقر نصیبی، بے رغبتی دنیا، غربت، مفلسی پر فخر ہے اور یہ دراصل تصوف ورخسان ہے۔

مانا جاتا ہے کہ ابو ہاشم کوفی نے تقریباً ۱۵۰ ہجری میں سب سے پہلے لفظ ''صوفی'' اپنے نام کے ساتھ استعمال کیا تھا۔

صحابہ ٔ کرام کے بعد حضرت اویس قرنیؒ کا شمار بحیثیت اول مکمل ترین ''صوفی''، بوجہ عشق الہ اور بالخصوص عشق رسولؐ'' کیا جاتا ہے۔ حضرت امام حسینؓ کی قربانی ٔ کربلا بھی صوفیائے کرام کے اس سلسلہ کی اہم کڑی جس میں ظلم کے خلاف ترغیب جہاد ہے۔ اس کے بعد ہی صوفیاء کرام نے اور ان کے لواحقین نیظلم پر خاموشی کی مخالفت کی اور اسی دور تابعین میں مشہو صوفیاء کرام میں حضرت خواجہ حسن بصریؒ، شیخ عبد الواحد بن زید، حبیب عجمی، داؤد طائی، فضیل بن عیاض وغیرہ جیسے نامور ومشہور صوفیائے کرام موجود تھے۔ جن پر خشیت الٰہی کا جذبہ سرگرم تھا اور جن کو مستشرقین خاموش علیحدہ گی پسند بے نیاز (Quitist) کے نام سے پکارتے ہیں اسی دور کی ایک خاتون صوفیہ رابعہ عدد یہ یا رابعہ بصری تھیں جن کے صبر وتوکل عشق الٰہی اور راضی بارضا کو دیکھ کر اس دور کے دوسرے مردان صوفی حضرات عش عش کرتے تھے۔ فرماتی ہیں کے عبادت الٰہی اس لالچ میں کہ ''جنت ودوزخ'' ملے گی لاحاصل میرا بس چلے تو دونوں کو ختم کردوں تاکہ ذکر وعبادت الٰہی بے غرض ہو صرف اس کے (اللہ) لئے ہو نہ کہ انعام واکرام کے لالچ ہیں۔

انہیں حضرات نے اس دور بنوا میہ میں جس میں خلافت ملوکیت میں تبدیل ہوئی اور جو تاریخ اسلام کا ایک طرح سے ''دہشت ووحشتناک دور''(Reign of Teror) تھا خاموشی سے اسلامی وقار، افکار ونظریات کو نہ صرف محفوظ رکھا بلکہ انہی کاوشوں سے عوام کو اس پر چلنے کی کامیاب تلقین وتبلیغ کی سعی کی۔

ان کے بعد کے مشہور ترین صوفیاء کرام میں ابو بکر شبلیؒ سری سقطی ،جنید بغدادیؒ ، رئیس الطائفہ، ابراہیم بن ادھم، ابوالحسن نوری وغیرہ جیسے اجلاء فضلاء حضرات ہوئے جنہوں نے اس غلط فہمی کو دور کیا کے شریعت اورطریقت دو الگ الگ راستہ ہیں۔ ان کے نزدیک شریعت وطریقت کے دائرہ میں رہ کر ہی معرفت الٰہی حاصل ہوسکتی تھی۔

امام غزالی اور شیخ عبد القادر جیلانی بغدادی نے اسی اصول کے پس منظر میں اپنی تصانیف میں شریعت وطریقت ومعرفت کو یکجا کرکے ثابت کردیا کہ تصوف خالص اسلام ہے ان کا یہ احسان تاریخ تصوف میں بے مثال ہے۔ شیخ محی الدین ابن عربی شیخ اکبر نے فلسفۂ وحدت الوجود ''ہمہ اوست'' (Unity of Being) کی اس طرح تشریح کی کہ وہ صوفی حضرات کے'' قالب جان'' ہوا اورتصوف کے لئے ریڑھ کی ہڈی ثابت ہوا۔

اسی دور میں اہل علم حضرات نے تصوف کے خلاف اٹھے طوفان کا مقابلہ کرنے کے لئے اورصوفیائے کرام کے پاکیزہ حالات کوعوام سے روشناس کرانے کے لئے تصانیف بامقصد کیں۔ اس میں ابونصر سراج ، ابو طالب مکی،عبد الرحمٰن سلامی ، امام قشیری کی تصانیف قابل ذکر ہیں اور کارآمد ثابت ہوئیں۔ بزرگوں کے ملفوظات جمع کرنے کا سلسلہ بھی رہا۔شیخ ابوسعید ابو الخیر کے ملفوظات اس ضمن کی اک اہم کڑی ہے۔حکیم سنائی نظامی گنجوی ، حافظ شیرازی،سعدی رومی،عطار جیسے شعراء نے تصوف کو اپنی شاعری کا مرکز بنایا اور پروان چڑھایا۔منصور حلاج شہاب الدین سہرودی مقتول عین القضات سمنانی نے سولی پر چڑھ کر اپنے خون سے اس کی آبیاری کی۔ پیری مریدی مرشد،شاآبا طالب ومطلوب کا سلسلہ جاری رہا۔لیکن بارہویں صدی عیسوی کے قبل تصوف میں باقاعدہ سلاسل (Orders Chains) کی روش شروع نہیں ہوئی تھی اس لئے اکثر حضرات صوفیہ اپنے نام کے ساتھ پیشہ لگالیتے تھے تاکہ پہچان ہوسکے خیاط ،سراج قصاب ،قصار وغیرہ اس ضمن میں لگائے گئے تھے جس کو ایک موجودہ تاریخ مارکسی نویس پروفیسر ریاض السلام نے یہ کہہ کر گھمانے کی کوشش کی کہ

تصوف اپنے اول دور میں پیشہ ور (Profesional Classes) حضرات کا محبوب ترین مشغلہ تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس دور میں کسی بھی ولی اللہ / بزرگ /صوفی کے ارد گرد جمع ہونے والے مریدین وطالبین کوصرف ''خادم'' (خدام) کہا جاتا تھا اور یہ لفظ حقیقتاً دنیائے تصوف میں اپنے معنوی اعتبار سے سمندر کو کوزے میں بند کر دینے کے مترادف ہے۔''

۳۔صوفی سلاسل کی تدوین اور آمد ہند:

بہرکیف ۱۲ ویں صدی کے آغاز سے ہی سلاسل (سلسلوں) کی تدوین کا کام شروع ہوا اور ایک باقاعدہ نظام عالم وجود میں آیا۔ اکثر سلاسل وطریقہ (طرائق) بانی سلسلہ کی جائے پیدائش و رہائش سے منسوب ہوئے مثلاً نقشبندی /سہروردی/چشتی/ وغیرہ ۔ یہ تینوں مقامات کے نام ہیں جہاں ان کے بانی یا اکابر پیران عظام رہائش رکھتے تھے یا پیدا ہوئے۔ دوسری طرف کئی سلاسل بانی سلسلہ کے نام سے عوام میں مقبول ہوئے ،ان میں جنیدیہ (جنید بغدادی) نوری (ابو الحسن نوری) شاذلی (ابوالحسن شاذلی) قادری (عبد القادر جیلانی) وغیرہ اہم ہیں۔سلسلوں کی ان ناموں کے ساتھ ساتھ شجرہ (بمعنی شجر) کا معاملہ بھی شروع ہوا۔ ہر بزرگ وشیخ نے اپنے پیر ودرپیر کے نام کے ساتھ ایک سلسلہ رکھا اور اکثر وبیشتر نے حضرت علی کرم اللہ وجہ کے توسل سے نبی کریمؐ تک رشتہ وناطہ قائم کیا۔ شجروں کی اہمیت اور باقاعدہ ورد نے سلسلوں کو مضبوط کرنے میں مدد کی اور بڑی حد تک عوام میں مقبول کیا۔ کچھ سلاسل خلیفہ اول حضرت ابو بکرؓ سے اور حضرت اویس قرنی سے اپنا شجرہ جوڑتے ہیں اور ان کے ذریعہ رسول اللہ والہ تعالیٰ تک اپنا وسیلہ پہنچاتے ہیں ۔ بہر حال تدوین سلاسل اور ''شجرہ'' (اشجار) نے تصوف کو پھیلانے اور عوام میں مقبول کرنے میں ایک اہم رول ادا کیا اور صوفیوں کو ایک خاندانی (Faternity) حیثیت سے روشناس کرایا۔ بقول پروفیسر کے اے نظامی تقریباً ۲۰۰ سے زائد سلاسل عالم وجود میں آئے اور پورے عالم میں لاتعداد علاقوں میں اپنے اثرات چھوڑے۔

برصغیر ہندوپاک ، افغانستان، بنگلہ دیش یعنی جنوبی ایشیا میں صوفیائے کرام کی آمد ۱۲ ویں صدی سے قبل سے شروع ہوچکی تھی ۔ ادھر حال کی تحقیقات سے ثابت ہوا ہے کہ کے جنوبی ہند میں اسلام کے اوّل ترین دور میں ہی صحابہ /صوفی / تابعین /حضرات بسلسلہ تجارت وتبلیغ بذریعہ سمندری راستہ نازل ہوچکے تھے ۔ ادھر ریگستان سندھ میں بھی کئی بزرگ حضرات کی آمد بہت پہلے ہی ہوچکی

تھی۔منصور حلاج اور خواجہ مودود چشتی کے دورۂ ہند کے متعلق بھی روایات ملتی ہیں۔

بارہویں صدی میں سید یوسف کردیزی نے ملتان کو اپنا مرکز بنا کر صوفی سلسلہ کی اشاعت کا کام شروع کردیا۔مشہور صاحب تصوف بزرگ شیخ علی ہجویری المعروف'' داتا گنج بخش'' لاہور میں بارہویں صدی میں جم چکے تھے اور تبلیغ اسلام اور اشاعت تصوف میں مصروف تھے۔ سالار مسعود غازی بھی محمود غزنوی کے دور میں بہرائچ آچکے تھے ۔ روشن علی عبد الرحمٰن درویش اجمیر میں اور حمیدالدین ریحانی ناگور میں اسی دور میں وارد ہوئے۔قنوج اجمیر ، ناگور وغیرہ میں مشہور بزرگوں اور صوفیائے کرام کی آمد سے مسلمانوں کی مختصر تعداد کے حوالے جات ملتے ہیں۔

۴۔ چشتیہ سلسلہ کی مختصر تاریخ:

لیکن سرزمین ہند میں جن سلاسل کو مقبولیت اور عوام کی محبت حاصل ہوئی وہ چشتیہ/قادریہ /سہروردیہ/نقشبندیہ سلاسل تھے ان میں بھی اول الذکر چشتیہ سلسلہ سرزمین ہند میں اس طرح پیوست ہوگیا کہ اس کی شاخوں نے نہ صرف ساری سرزمین ہند کو اپنی چھتر چھاؤں میں لے لیا اس طرح نہ صرف جنوبی ایشیا میں بلکہ اسکے باہر موجودہ یوروپ وامریکہ اوروسطی ایشیا میں بھی اسکے پیروکاروں کی تعداد دن بدن بڑھتی چلی گئی اور آج بھی موجود ہے۔

علامہ ابو الفضل نے سرزمین ہند میں مجملہ ۱۴/سلاسل صوفیہ کی نشاندہی کی ہے جس میں مشہور چار سلسلوں کا تذکرہ ہوچکا ہے باقی سلاسل یا تو اس سلاسل کی شاخیں تھیں یا پھر بعد کی پیداوار ہیں، اس میں شطاریہ/قلندریہ/مداریہ/فردوسیہ وغیرہ اہم ہیں۔

سلسلہ چشتیہ کے سرزمین ہند میں پیغامبر شیخ الشیوخ خواجہ خواجگان حضرت سید معین الدین حسن چشتی کی ذات والاتھی چشت دراصل موجود افغانستان میں دریائے ہری رد پر ہرات سے ۱۰۰ میل کے فاصلہ پر موجود ہے جس کو'' خواجگان چشت'' کے نام سے تاریخ میں پکارا جاتا تھا اور آجکل'' عسقلان'' کہا جاتا ہے ۔ یہاں دسویں اور گیارہویں صدی میں اس سلسلہ کے چھ بزرگوں نے قیام کے اور سلسلہ کی اس علاقے میں آبیاری کی۔تفصیل یہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے حضرت خواجہ حسن بصری /عبد الواحد زید/فضیل بن عیاض /ابراہیم بن ادہم بلخی حذیفہ مرعشی بوہیرہ بصری/ممشاد دینوری/تک یہ سلسلہ چشتی کے نام سے موسوم نہیں تھا۔ ان میں صرف حضرت ابراہیم بن

ادہم علاقہ بلخ (Balkh) کے رہنے والے تھے ، باقی سب دنیائے عرب کے مشہور ومعروف بزرگ وصوفیائے کرام تھے ر جب ابو اسحٰق شامی حضرت خواجہ ممشاد دینوی خلفیہ مقرر ہوئے اور ان کو پیر نے ابو اسحٰق شامی کے بجائے ابو اسحٰق ''چشتی'' کا لقب عطا کرکے ''چشت'' کے گردونواح میں دسویں صدی ہجری سلسلہ کی اشاعت کے لئے بھیجا اس طرح چشتی سلسلہ بمقام دیگر سلاسل کے قدیم ترین ہوا اور یہ اول بزرگ ''چشتی'' سلسلہ کے تھے جو چشت میں قیام پذیر ہوئے۔ یہ علاقہ بدھ مذہب کا پیرو کا رتھا مگر اس زمانہ میں یہ علاقہ ملامتیہ رعیسیو یہ وغیرہ سلاسل کے زیر اثر ہونا شروع ہوگیا تھا۔

بہر حال حضرت خواجہ ابو اسحٰق چشتی نے اس مقام کو اپنا مرکز بنایا اور حضرت خواجہ ابو ابدال احمدؒ کو خلیفہ بنا کر آپ واپس بلادِ اسلامیہ کی طرف چلے گئے ۔خواجہ ابدال احمد کے بعد یکے بعد دیگرے حضرت خواجہ ابو محمد ر حضرت ابو یوسف چشتی اور ر حضرت خواجہ مودود چشتی نے اس مقام سے چشتی سلسلہ کو فروغ دیا اور اس کی نشونما کی۔ حضرت خواجہ مودود چشتی کے خلیفہ حضرت خواجہ شریف زندانی (زندان ر ایران) نے اس سلسلہ کو پھر ایران میں مقبول کیا۔ ان کے جانشین وخلیفہ حضرت خواجہ عثمان ہرونی (نیشاپوری) واسطی نے بھی اس کی اشاعت وترویج اسی علاقے میں کی۔ آخر میں ان کے نامور خلیفہ حضرت سید نا خواجہ معین الدین حسن چشتی نے ایک مرتبہ اس قدیم وعظیم سلسلہ کو اس علاقہ اور سرزمین ہند میں پہنچایا اور اس کامیابی سے اس کی اس دیار ہند میں سینچائی کی کہ یہ سلسلہ گذشتہ ۸ سو سال سے اس سرزمین میں پھل پھول رہا ہے اور اپنی فیوض وبرکات سے اس دیار کے لوگوں کو مالا مال کر رہا ہے۔

کیا تھا ہند کو تاریک جب باطل پرستی نے اجالا کر دیا آکر معین الدین چشتی نے

خلاصہ یہ ہے کہ اس علاقے میں پیران وبزرگان سلسلہ چشتیہ کے پیشواؤں کی مضبوط پکڑ حضرت ابراہیم بن رہم ملخی سے تھی اور خواجہ مودو چشتی کے بعد پھر یہ سلسلہ واپس بلاد اسلامیہ کی طرف لوٹا تو خواجہ معین الدین حسن چشتی نے پھر اس کو ہند میں لاکر یہاں کے لوگوں میں اتنا سمو دیا کہ وہ مقامی سلسلہ ہو کر پھیل گیا اور قبول ہوا۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی شخصیت وذات ہند کے عوام کے لئے ایک بہت بڑی نعمت الٰہی کا درجہ رکھتی ہے۔

پانی جنم جنم کا دامن میں لئے چھپالیا
رحمت خدا کی لایا ہر یالہ بنالیا

۵۔ سلطان ہند حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے مختصر حالات زندگی:

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی زندگی کے تفصیلی حالات بہت کم ملتے ہیں ۔موجودہ تاریخی مواد کی بناء پر مختصر اور اجمالاً یہ کہا جاسکتا ہے کہ آپ کی پیدائش اک ناموعزت دار سید خاندان میں بمقام سنجر(Sanjar) میں ہوئی جہاں حالات کی خرابی کے بعد آپ کی والدہ اور آپ کے والد سید غوث الدین نے ترک وطن کر کے خراسان میں بودوباش اختیار کی۔حضرت خواجہ کا اصل نام حسن ہے بچپن میں یتیمی کا داغ آپ کو نصیب ہوا۔ اوائل عمر میں حضرت ابراہیم قندوزی مجذوب (Qanduzi) سے ملاقات کے بعد آپ کی زندگی میں ایک تغیر پیدا ہوا اور جملہ علائق دنیا کو راہ خدا میں لٹا کر آپ تحصیل علم اور تلاش حق میں نکل پڑے۔سمرقند بخارا/ اور دیگر اسلامی مراکز پر دنیوی تعلیمات سے روشناس ہوکر بالآخر بغداد میں حضرت خواجہ عثمان ہارونی سے بیعت ہو کر خادم شیخ ہو گئے۔

سالہا سال خدمت پیر کر کے تربیت وآداب واخلاق سے نوازے گئے اور آخر ہمراہ پیر زیارت حرمین شریف کے بعد بحکم نبی کریمؐ ہند کی آمد کی تیاری کر لی۔ رخصت ہو کرتبریز /ہمدان / استر آباد /مہنہ //خرقان / چشت/ہرات /سبزوار/غزنی وغیرہ ہوتے ہوئے لاہور تشریف لائے۔دوران سفر جملہ ہمعصر بزرگان دین سے ملاقاتیں کیں اور فیوض وبرکات کاملین دین ہوا اور ان بزرگان دین اولیاء کرام کے مزارات پر بھی حاضری دے کر فیض حاصل کیا۔ جو دنیا سے پردہ لے چکے تھے۔ راہ میں لاتعداد لوگوں کی اصلاح کی اور صراط مستقیم پر قائم کیا اور اپنی غلامی سے نوازا۔ اکثر وبیشتر قبرستان میں قیام کرتے تھے جو عموماً شہر سے باہر ہوتا تھا اور جب زیادہ شہرت ہوتی اس مقام سے کوچ کرجاتے تھے ۔ لاہور میں شیخ علی ہجویری کے مزار پر معتکف رہے اور چلہ کیا اور جو کچھ صاحب مزار سے مل سکتا تھا حاصل کیا۔

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا ناقص آں پیر کامل ۔کامل آں رہنما

سرزمین ہند اس وقت سیاسی /سماجی/ثقافتی/اعتبار سے اپنے تاریخ کے نازک ترین دور سے گذر رہا تھا۔ اہل ریاست اور والیان حکومت آپسی رنجشیں جھگڑے لڑائیاں اس پر محمود غزنوی کے متواتر حملوں نے تمام نظام سلطنت اور والیان سلطنت کو تتر بتر اور پارہ پارہ کردیا تھا۔ خانہ جنگی کا سا عالم تھا۔ سماجی طور پر چھوا چھوت۔ اونچ نیچ/ ذات برادری۔ غلامی /جیسی مہلک بیماریاں موجود تھیں ۔محمود

غزنوی کے بنام اسلام مگر در اصل بغرض زروسیم اور حکومت کے متواتر کامیاب حملوں نے یہاں کی عوام اور اہل حکومت کو متنفر اسلام کررہا تھا اور جذبۂ نفرت کو اسلام اورمسلمانوں کے خلاف دلوں میں بھر دیا تھا۔

ایسے ماحول میں حضرت خواجہ اجمیری کا اس سرزمین میں قدم رکھنا اورسونے پر سہاگہ کے دار الخلافہ حکومت چوہان ''اجمیر القدس'' میں قیام پذیر ہونا جو اک مذہبی مرکز بھی تھا، ان کے عزائم روحانیت کی دلیل ہے رائے پتھورا جوعرف عام میں پرتھوی راج کے نام سے جانا جاتا ہے، اسکی دورحکومت میں راجدھانی اجمیر میں آپ کا نزول ۱۱۹۰کے قبل یا قریب ہوا۔

یہاں بیٹھ کر آپ نے جن نامساعد حالات میں خندہ پیشانی سےعوام میں اسلام اورتصوف وچشتیہ سلسلہ کی تبلیغ کی اس کا سوچنا بھی محال ہے۔تقریباً ۴۰ سال سے زائد اس نائب الرسول اللہ فی الہند نے عوام کو یہ پیغام دیا کے درحقیقت اسلام وہ نہیں جوحملہ آور سلاطین وبادشاہوں نے بتایا بلکہ حقیقی اسلام وتصوف یہ ہے کہ جو ہم تم کو بتاتے ہیں کہ اعلیٰ ترین طاعت یہ کہ بھوکوں کو کھانا کھلایا جائے،فریاد کرنے والوں کی مدد کی جائے اور پریشان حال کی پریشانیوں کا ازالہ کیا جائے۔''

اور یہ کہ وہ شخص کامل صوفی اس وقت تک نہیں ہوسکتا ، جب تک اس میں''سورج کی سی شفقت دریا کی سی سخاوت او زمین کی سی تواضع نہ ہو'' انہیں خدمت خلق کے جذبات سے حضرت شیخ معین الدین چشتی نے اجمیر کو اپنامرکز بنا کرتبلیغ اسلام اور اشاعت چشتیہ مسلک کی ان کی ہند میں آمد ایک خاموش سماجی مگر زبردست سماجی اور روحانی انقلاب کے بانی ہوئی۔

حضرت خواجہ اجمیری نے اجمیر میں شادی کی اور ایک شادی مقامی خاندان میں کی۔آپ کے اولاد بھی ہوئی۔ اس طرح سرزمین ہند کو خواجہ نے اپنا وطن بنا کر زندگی گذاردی اور بعمر ۹۷رسال ۱۲۳۵ھ میں وصال فرمایا۔آپ کے اجل خلفاء میں قطب الاقطاب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ اور شیخ حمید الدین ناگوری سوالی نے بالترتیب دہلی او ناگور کو اپنا متنقر الخلافہ بنایا۔ حضرت خواجہ کے فرزند اکبر سید فخر الدین سردار مانڈل خاندن اور پوتے شیخ حسام الدین سانبھر (چوہانوں کا اصل مرکز) میں آباد ہوئے اور سلسلہ کو بڑھایا۔حضرت خواجہ کے بعد وصال آپ کی اولاد مسلک ودین کی اشاعت وتبلیغ کے لئے چودھویں صدی کے اوائل میں گجرات اور مانڈو (مالوہ) کی حکومتیں میں جابسے او روہاں سے مزید دکھن کی طرف بھی چلے گئے۔اور پھر اجمیر نہ لوٹے۔

حضرت خواجہ اجمیریؒ کے دوسرے خلفاء ہندوستان میں مختلف مقامات پر گئے اور تیرھویں صدی میں ہی سلسلہ چشتیہ کو ہندوستان کے عوام سے روشناس کرایا۔ ایک خلیفہ وعمراو برادر طریقت اور خادم خاص حضرت خواجہ سید فخر الدین علی احمد گردیزی کو آپ نے اپنے پاس رکھا اور خانقاہ ولنگر کا انتظام سپرد کیا انہی بزرگ کی اولاد جو خدام سیدزادگان کے نام سے مشہور آج تک صدیوں ونسل در نسل آستانہ ودرگاہ خواجہؒ پر وہی رسومات اور خدمات کو انجام دے رہی ہے، جو ان کے جد کرتے تھے اور زائرین کے وکیل کی حیثیت سے ان کی رہبری ودعا گوئی میں مصروف ہے۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کا دہلی میں قیام اک مقصد کے تحت تھا ۔ شہاب الدین غوری کی فتح ہند کے بعد دار الخلافہ اجمیر سے منتقل ہو کر دہلی ہوگیا وہاں ایک جید خلیفہ کی ضرورت تھی ۔لیکن قطب صاحب کے جلد ہی وصال نے حضرت شیخ بابا فرید الدین گنج شکر کو اس سلسلہ کی خلافت پر بٹھادیا۔بابا صاحب نے دہلی سے سلسلہ کا مرکز اجودھن پاک ٹین بنایا جس سے یہ سلسلہ اب شہری سے دیہی علاقوں کی طرف پھیلنے لگا۔

پنجاب کے لاتعداد دیہی علاقوں میں بابا فرید اور ان کے خلفاء ومریدین کی بدولت لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے۔ ایسے ہی جیسے شیخ معین الدین اجمیری کے زمانے میں راجپوتانہ/میوات/ دکھن/لکھنوتی وبدایونی وغیرہ میں ہوا۔ بابا فرید کے ۱۲۶۵ میں وصال کے بعد سلسلہ کی خلافت وتبرکات (کلاہ اعصا۔جامہ ۔سجادہ نعلین وغیر) حضرت شیخ نظام الدین اولیاء بدایونی کے حصہ میں آئے۔حضرت کا وطن بدایوں تھا، سادت تھے مگر خانقاہ فرید یہ میں بیعت کے بعد تربیت حاصل کی اور بحکم پیر دہلی کو پھر بسایا۔ اب سلسلہ چشتیہ کا مرکز ۳۰ سال بعد پھر دارالخلافہ میں آ گیا۔ اور یہ اس سلسلہ کے لئے سب سے زیادہ خوش آئند ثابت ہوا۔حضرت نظام الدین اولیاء نے شفقت وبیعت کا دروازہ عام کردیا اور اس سلسلہ کو اس کے معراج کمال تک پہنچادیا کہ حضرت زیر نگیں یہ سلسلہ دوسرے سلاسل خاص کر سہروری پر سبقت لے گیا۔ اور سرزمین ہند میں مقبول ترین طریقہ ہوگیا۔

حضرت محبوب الٰہی نے اپنے زمانہ میں ہی دکھن/میوات/ بنگال/ مالوہ/ گجرات/ وغیرہ میں اپنے ممتاز اور اجل خلفاء کو بھیج کر حضرت خواجہ اجمیری کے اس مشن کو مستحکم کیا جو انہوں نے اپنے زمانہ میں اپنے خلفاء کے ذریعہ ان علاقوں تک پہنچادیا تھا۔

بابا فرید کے ایک اور مشہور خلیفہ حضرت شیخ علاء الدین صابر نے چشتیہ سلسلہ کی ایک شاخ،

صابری سلسلہ، کی بنیاد ڈالی جس نے پانی پت ر روڈ کی کلیر ر ردولی ودیگر پنجاب ویوپی کے علاقوں میں اس سلسلہ کو فروغ دیا۔

حضرت نظام الدین اولیاء کے جانشین حضرت نصیر الدین چراغ دہلی کو بحکم اپنے پیر دہلی میں رہنا پڑا اور کافی مشکلات واذیت کا سامنا کرتے ہوئے اس سلسلہ کی مرکزی حیثیت کو سنبھالنا پڑا۔ سلاطین دہلی سے ان کے اور ان کے پیر حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیاء کے تعلقات کچھ اچھے وخوشگوار نہیں رہے خاص کر چراغ دہلی کو بہت صعوبتوں کو جھیلنا پڑا۔ محمد بن تغلق جیسے ضدی جامع الاضدادا اور جابر بادشاہ سے حضرت چراغ دہلوی کو تکالیف ملتی رہی مگر آپ نے مردمجاہد کی طرح تمام حالات کا صبر ورضائے مقابلہ کیا اور ہمت واستقلال وعزت آبرو کے ساتھ سلسلہ کی نگہبانی کی۔ حضرت امیر خسرو بھی اس عظیم بزرگ حضرت نظام الدین اولیاء کے خلیفۂ خاص میں تھے۔ چونکہ دربار سے تعلق تھا اسی لیے خلافت عظمیٰ نہ مل سکی مگر ہندوستانی ملی جلی گنگا جمنی تہذیب کا ایک مینارہ تھے۔ ان کی شاعری ہندوی میں ان کی عظمت کا ثبوت ہے۔ بہر کیف ۱۳۵۱ میں حضرت نصیر الدین چراغ دہلی کے وصال کے بعد چشتیہ سلسلہ کی مرکزی نظام کی حیثیت اسی طرح ختم ہوگئی جس طرح تیموری حملہ کے بعد ۱۴۰۰ء میں سلطنت دہلی کی مرکزی وکلیدی حیثیت سمٹ گئی۔ حالات کا تقاضہ تھا کہ چشتیہ سلسلہ کے بڑے بڑے بزرگ دوسرے علاقوں اور صوبوں میں جابسیں اور ایک آزادانہ حیثیت سے وہاں سلسلہ کا نظم ونسق سنبھالیں اس آزادنہ حیثیت کے یہ معنی نہیں تھے کہ انہوں نے اپنے پیروں سے قطع تعلق کرلیا ہو بلکہ انہی پیران عظام کے آستانوں سے خاص کر خواجہ اجمیری کہ قطب صاحب بابا فرید نظام الدین اولیاء کے درگاہوں سے وہی رشتہ رکھا جو پیروں سے تھا لیکن ایک مرکزی پیر ہم عصر (Centrel Figure) کے سلسلہ کو بحالت مجبوری منقطع کیا۔

اسی وجہ سے گلبرکہ ردکھن میں پینیڈ بنگال میں پٹن، احمد آباد گجرات میں کہ جونپور وکالپی مشرق میں خلجیون کے مالوہ مائڈو میں چشتی بزرگوں اور خانقاہوں کا ایک سیلاب سارواں ہوگیا، جس نے عوام کی تشنگی دور کی اور اپنے افکار عادات وخوارق میں سب کو بہالے گیا۔ ہندرہویں صدی اور سولہویں صدی کے وسط تک ان بزرگوں نے ''ہرجا'' چشتیت کا وہ علم بلند کیا جس کے زیر سایہ حکمراں اپنی حکومتیں، امراء اپنی امارتیں اورعوام اپنے دکھ درد کا درماں وحل تلاش کرتے نظر آئے۔

یہ اجمیر شریف کی خانقاہ ودرگاہ کا اثر تھا کہ اکبر اعظم جیسا مہابلی اور طاقتور شہنشاہ ''صلح

کل'' کے مسلک پر گامزن نظر آتا ہے۔ مغلوں میں ظہیر الدین بابر/اکبر/ جہانگیر کا آستانوں خانقاہوں سے نسبت وتعلق سیاسی واتفاقی نہیں جذباتی روحانی اورعقیدت مندی پر مبنی تھا گو اس سے قبل شمس الدین التتمش / علاء الدین خلجی /محمد بن لودھی/ جیسے نامور سلاطین دہلی ، منظر شاہ / احمد شاہ بہادر شاہ / جیسے والیان گجرات محمود خلجی /غیاث الدین خلجی / جیسے حکمراں مالوہ اور مقامی راجپوت غیر مسلم راجاؤں نے ان چشتی بزرگان دین کے آستانوں پر بالخصوص اجمیر شریف کی درگاہ میں سر عقیدت خم کیا مگر مغلوں کے احترام وعقیدت اور روحانی تعلق ان آستانوں اور درگاہوں سے ایک بے مثال اور نادر جذبہ تھا۔ اکبر اعظم کو اپنی ہر فتح ہر اولاد کے پس منظر میں حضرت خواجہ اجمیریؒ کی روحانی مدد کا یقین کامل تھا۔ جہانگیر ودیگر اولاد کی پیدائش ان کی ہی مرہون منت تھی۔ شاہ جہاں /دارا شکوہ اور جہاں آرا کی حضرت خواجہ اجمیری سے نسبت اورعقیدت ان کے تذکروں سے عیاں ہیں گو کے آخر الذکر دونوں لوگ یعنی دارا شکوہ اور جہاں آرا قادریہ سلسلہ میں میاں میر سے بیعت تھے مگر چشتیت کا رنگ ان پر آخر تک غالب رہا۔

اورنگ زیب گو کہ نقشبندی حضرت وبزرگان سے قریب تھا مگر حضرت خواجہ اجمیری کی بارگاہ میں بوقت حاضری عقیدت قوالی کی محفل میں مسکراتا ہوا خاموشی سے چلا گیا۔ بہادر شاہ بن اورنگ زیب آخری مغل حکمراں تھا جس نے اجمیر القدس میں حاضری دی۔ مگر شاہان مغلیہ کا تعلق اس آستانہ سے بہادرشاہ ظفر تک قائم رہا۔

مغلوں کے زوال کے بعد مراٹھوں راجپوتوں نے بھی اس سلسلہ کے عظیم مرکز اجمیر القدس سے جذباتی اور روحانی لگاؤ رکھا ۔ گوکہ سترہویں صدی میں اس سلسلہ کا زور دہلی اور اس کے اطراف میں شمالی ہند میں نمایاں نظر نہیں آیا بلکہ قادری نقشبندی بزرگان نے زمانہ وحالات پر اپنی چھاپ بیٹھائی، مگر ۱۸ویں صدی کے شروع میں چشتی سلسلہ پھر عروج پر آنا شروع ہوا۔ شاہ محبّ اللہ الہ آبادی نے سترھویں صدی میں اپنی تصانیف سے اورعلمیت سے اس سلسلہ کی عظمت کو برقرار رکھا مگر ان کے بعد شیخ کلیم اللہ شاہجہان آبادی، شیخ نظام الدین اورنگ آبادی اور ان کے جانشین محبّ الٰہی مولانا فخرالدین دہلوی نے اس سلسلہ کے نشاۃ ثانیہ کی رہبری کی۔ مولانا فخرالدین دہلوی کے ۳ جل خلیفہ خواجہ نور محمد مہاروی (پنجاب)، حضرت شاہ نیاز احمد بریلوی (شمالی ہند)، اور شیخ نجم الدین جھنجھنوی (راجستھان) نے چشتیہ سلسلہ کو دوبارہ ابھارا۔ اور اس مقام پر لانے کی سعی وکوشش کی جس پر

۱۴/ ۱۳ صدی میں یہ سلسلہ تھا۔

مولانا فخرالدین دہلوی حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے ہم عصر تھے اور حقیقتاً اس نشاۃ ثانیہ کے عظیم علمبردار تھے۔ ان کے خلفاء ملک کے کونے کونے میں پہنچ گئے اور سلسلہ کو دوبارہ زندہ کیا۔ آخری مغل تاجدار اس کے فرزند وامراء میں اکثر وبیشتر مولانا کے دامن تربیت سے وابستہ تھے۔

اس طرح حقیقتاً ایک مرتبہ پھر یہ سلسلہ اپنی آب وتاب کے ساتھ عوام کے سامنے تھا اور ہندوستانی عوام نے پھر اسی والہانہ جذباتی اور عقیدت مندانہ انداز سے اس کو اپنایا اور اس سے سلسلہ سے خود کو پیوست کردیا اور فیض پایا۔ در اصل چشتیہ سلسلہ کی عوام میں مقبولیت اس سلسلہ کی وہ اہم خصوصیات تھیں جو دوسرے سلاسل کے مقابلہ منفرد تھیں اور عوام کے لئے قابل قبول تھیں۔

سب سے اول اس سلسلہ کی نمایاں خصوصیت یہ تھی کے اس کے اکابر بزرگ سلاطین وامراء سے دوری رکھنے کے قائل تھے۔ بہت گہرا لگاؤ کبھی ان بزرگوں کا والیان حکومت سے نہیں رہا۔ اسی لیے اس سلسلہ کے بزرگ سرکاری نوکری کے خلاف تھے۔ اور اسی پس منظر میں وہ جاگیر کے عطیہ اور شاہی نذرانوں سے گریز کرتے تھے اور حتی الامکان قبول نہیں کرتے تھے۔ ان کا نظریۂ تھا کے حکومت سے تعلق وواسطہ سرکاری نوکری وجاگیرات معافی وغیرہ روحانی منازل کی ترقی کرنے میں رکاوٹیں بنتی ہیں۔ اور ایک صاف وستھری وپاکیزہ زندگی میں دخل انداز ہوتی ہیں۔ در اصل یہ فلسفہ چشتیوں کا نیا نہیں تھا۔ دور اول کے صوفیاء کرام اور بزرگان دین نے خلفاء بنی امیہ وعباسیہ سے خود کو دور رکھا۔ امام غزالی نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مزار اقدس پر قسم کھائی تھی کہ وہ سلاطین وامراء کی صحبت سے دور رہیں گے در اصل تاریخ ہند کے دور میں جب مسلم سلاطین اپنی حکومت کی جڑوں کو مضبوط کرنے میں مصروف تھے اور ہر جائز وناجائز طریقوں سے استحکام سلطنت میں لگے تھے ان سے دوری اور لاتعلقی عوام میں ان بزرگوں کی اہمیت اور عظمت کو بڑھاتی تھی اور حکمرانوں کے ان کارناموں سے بے نیازی ثابت کرنے میں معاون تھی، جن سے عوام میں ان حکمرانوں کے خلاف نفرت پیدا ہوتی تھی۔ ان کی حکومت میں نوکری چاکری ان صوفیائے کرام کی آزادی کو سلب کرتی تھی اور والیان حکومت کی ہر صحیح وغلط حرکات بھی جائز قرار دیتی تھی۔ اس سے بچنے کے لئے ان حضرات نے سرکاری نوکریوں کو آخیر باد کیا اور اسی پس منظر میں عطیات جاگیرات کو بھی ناقابل قبول کیا کہ اس سے حکومت کے زیر اثر دباؤ میں رہنا پڑتا تھا، اور پھر یہ کے لقمۂ حلال وحرام کا مسئلہ تھا۔ حیرت کی بات

ہے کہ سلسلہ چشتیہ کے اکابر صوفیائے کرام اور ان کے ممتاز خلفاء وسجادہ نشین بزرگوں نے اس پر سختی سے عمل کیا مگر انہیں زبرگان چشتیہ کی اپنی اولادوں نے جو ان کے بعد ان کے مزار ودرگاہ کے متولی وسجادے مجاور رخدامین ہوئے، سرکاری وفاتر سے جاگیرات وعطیات کو وصول کیا اور اپنے بزرگوں کے آستانوں ودرگاہوں کو جاگیرات و زمینداری کا مرکز بنادیا، گوکچھ مقامات پر بحالت مجبوری اس کو اپنایا گیا مگر دور مغلیہ تک یہ اک عام رواج بن گیا تھا۔

سلسلہ چشتیہ کی دوسری خصوصیت ہندوستانی ماحول میں یہاں کے عوام کے جذبات کو مدنظر رکھ کر کئی طریقوں کو اپنانے کا معاملہ ہے۔ حضرت خواجہ اجمیری نے ہندؤں کے مذہبی جذبات کو ذہن میں رکھ کر تلقین کی کہ مادہ گائے اور دیگر جانور کو بلاعذر ذبح نہ کیا جائے ،نہ جلایا جائے ۔ان کے عظیم خلیفہ صوفی شیخ حمید الدین سوالی ناگوری نے اپنے علاقہ کے جینی اور بشنوئی عوام کے جذبات کو مدنظر رکھ کر خود کے لئے گوشت خوری مکمل طور پر ختم ہی نہیں کی بلکہ وصیت کی کہ ان کی فاتحہ وایصال ثواب پر بھی گوشت نہ دیا جائے، بلکہ سبزی مٹھائی وغیرہ پیش کی جائے۔

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر اور شیخ نظام الدین اولیاء نے اپنی خانقاہوں میں جوگیوں کو خوش آمدید کہا اور ان سے مختلف معاملات پر گفتگو کی۔ شیخ نظام الدین اولیاء کا اپنے چہیتے مرید امیر خسرو کا یہ مشہور،مصرعہ ہی ان کا وطیرہ تھا،

''ہر قوم وملت را دین قبلہ گاہ''جوان کے خیالات کی ترجمانی کرتا ہے۔

مقصد یہ ہے کہ ہندوستانی عوام کے جذبات ، خیالات وافکار کو ذہن میں رکھ کر چشتی بزرگوں نے اپنے فعل وکردار میں ان چیزوں کو روا رکھا جن سے عام لوگ متاثر ہوں اور دین وسلسلہ کی تبلیغ ہو۔ اس ضمن میں تیسری خصوصیت قوالی رسماع کا معاملہ سب سے اہم ہے۔ ہندوستان میں عبادت کے طریقوں میں ایک طریقہ کیرتن یا گابجا کر دیوی دیوتاؤں کی تعریف کرنا تھا۔ اسی پس منظر کے تحت ان چشتی بزرگوں نے ،جو وقت کے سب سے بڑے نباض تھے، قوالی کو فروغ دیا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ قوالی ہند میں ہی شروع ہوئی۔ قوالی کا سلسلہ ایران وتوران سے شروع تھا مگر اس کو سرزمین ہند میں چشتیوں نے زبردست فروغ دیا اور یہ سلسلہ عوام میں رچ بس گیا۔ دوسرے سلاسل خاص کر قادریہ رنقشبندیہ ۳ سہروردیہ اس کے شائق نہیں تھے اور نہ اس اہمیت کو سمجھ پائے گو کہ ان کی بھی اکثر خانقاہوں میں اور اکثر بزرگوں نے قوالی کو سنا اور اس کا رواج رکھا مگر قوالی رسماع کے اس

رواج کو چشتیوں نے جتنی اہمیت وفوقیت دی، وہ ان کو دوسرے سلاسل پر عوام میں فوقیت دے گئی ۔ سماع اس وقت عوام کے میڈیا کی حیثیت رکھتا تھا۔

اس سلسلہ کی چوتھی ایک اور خوبی یہ تھی کہ چشتی بزرگوں کی خانقاہوں میں عوام کے لئے حاضری بلا مذہب ذات پات کے تھی۔ یہ ایک ایسا اعلان عام تھا جس نے دکھ درد کے مارے بلاتفریق حسب ونسب ومذہب لوگوں کو ان کی جانب دوڑایا۔لنگر (مفت کھانا) بھی ان خانقاہوں میں غرباء ومساکین اور سماج کے ان طبقوں کے لئے باعث رحمت تھا جو مفلسی وناداری کی وجہ سے تنگ دست تھے ۔مزے کی بات یہ ہے کہ لنگر میں وہ اشیاء پکائی جاتی تھیں جو سب کے قابل قبول ہوں۔ آج بھی حضرت خواجہ اجمیری کی درگاہ میں صبح وشام جو لنگر تقسیم ہوتا ہے وہ صرف ''جو کا دلیا'' ہوتا ہے نمکین اور کبھی میٹھا مشہور دیگ میں زعفرانی زردہ ''کیسریا بھات'' بنتا ہے۔عوام کے اس افلاس وتنگدستی کے مارے لوگوں کا حضرت نظام الدین اولیاء کے دل میں کتنا درد تھا اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ رمضان شریف میں محبوب الٰہی کے خادم نے سحری میں کچھ کھانا زیادہ حضرت کے سامنے اس خیال سے رکھا کہ افطار بھی آپ نے بہت کم کیا تھا۔حضرت نے پھر تھوڑا سا کھا کر واپس کیا۔ اس پر خادم نے عرض کیا کہ حضرت آپ نے افطار بھی برائے نام کیا اور سحری میں بھی معمولی تناول فرمایا۔ اس سے نقاہت بڑھے گی۔آپ نے فرمایا کہ دہلی میں نہ معلوم کتنے لوگ بھوکے سوئے ہیں اور کتنوں کو پیٹ بھر کھانا نصیب ہوا ہوگا۔ ایسے میں کیسے شکم سیر ہو کھا سکتا ہوں۔ یہ تھا وہ درد اور کسک جس نے ان بزرگوں کو اللہ کے نزدیک کیا اور عوام کا محبوب بنایا۔

اس سلسلے کی پانچویں خصوصیت ان بزرگان دین کی خانقاہوں اور درگاہوں میں بھی کچھ ایسے رسم ورواج شامل کیے گئے ہیں یا ہوگئے جو ملی جلی تہذیب کا پتہ دیتے ہیں۔''بسنت'' کا تہوار اجمیر کی درگاہ ر شاہ ترکمان رمحبوب الٰہی کی درگاہوں پر بڑے جوش وخروش سے منایا جاتا ہے۔ اس طرح ہندو مسلم یکجہتی وبے مثال نمونے ہیں دیوالی پر درگاہوں میں چراغاں اور ہولی پر گلال کا پیش کرنا۔

مزارات میں صندل پوچی روشنی ناریل کا پھوڑا جانا۔ روشنی کی رسم بلا گوشت کے لنگر یہ سب اس چشتیہ سلسلہ کی خصوصیات ہیں جو ہندوستانی عوام کے جذبات وعقیدت کو ذہن میں رکھ کر کئے گئے اور جن کے اثرات ہندوستانی سماج اور ثقافت پر نمایاں نظر آئے ہیں اور فرقہ وارانہ یکجہتی وہم آہنگی کی

نظیر ہیں جس کی آج کے اس پر آشوب دور میں زیادہ اہمیت وافادیت اور ضرورت ہے۔

دوسری طرف ان چشتی صوفیائے کرام کی خانقاہیں جو شروع میں '' جماعت خانہ'' کہلاتی تھیں، تعلیم وتربیت کا اک زبردست مرکز ہوا کرتی تھیں، رواداری اور فراخ دلی کا یہ عالم تھا کہ ان خانقاہوں میں سہروردی سلسلہ کے جید بزرگ شیخ شہاب الدین سہروردی کی شہرہ افاق تصنیف ''عوارف المعارف'' کا درس عام تھا۔ ہند میں چشتی حضرات نے تصانیف پر کم زیاور دیا اور کردار سازی پر زیادہ۔ اسی لیے اپنے مدارس وخانقاہوں میں دوسرے سلاسل کے بزرگوں کی تصنیفات کو رکھا۔ ادھر ملفوظات کا ذخیرہ بھی جمع ہونا شروع ہوا۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی سے لیکر آج تک کے چشتی بزرگوں کے ملفوظات کا ذخیرہ موجود ودستیاب ہے، اس میں واقعات وحالات مشائخ ان کے نصیحت آمیز ارشادات عوام مریدین اور طالبان کے لئے مشعل راہ ہیں، محبت رحلم ررواداری رفراخ دلی ر احترام عقائد وجذبات ردرد مندی رعوام پروری رغرباء دوستی ، والیان قوم اور حکومت سے بے نیازی کے رویہ وروش نے چشتیہ کو دوسرے سلاسل کے مقابل سرزمین ہند میں زیادہ فروغ دیا اور مقبول بنایا۔ ان کے مشائخ نے روز اول ہی سے خود کو زیادہ ہندوستانیت کی طرف موڑا۔ یہاں کے رسم ورواج ، تہذیب وتمدن اور زبان کو جلد اور زیادہ اپنایا اور اس ے خود کو ہم آہنگ کیا، اسی وجہ سے وہ اس ملک میں ممتاز اور سرفراز ہے اور ایسے سماج کی تشکیل کرنے میں کامیاب ہوئے جو مذہب وملت، ذات پات، اونچ نیچ کی تفریق سے بَری تھا۔

۷۔ دیگر سلاسل : سہروردی وقادری:

چشتیہ سلسلہ کے برعکس سہروردیہ جو اسی دور میں ہند میں وارد ہوا مگر مقبول ہوا۔ ہند میں بانی سلسلہ شیخ بہاؤ الدین زکریاملتانی (حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے بغداد میں ہم عصر) خواجہ صاحبؒ کے خلیفہ تھے، انہوں نے ملتان کو اپنا مرکز بنا کر اسکے گردونواح اور کشمیر وغیرہ میں اس سلسلہ کو فروغ دیا۔

شیخ بہاؤ الدین زکریا اپنے سلسلہ کی روایات کے مطابق امراء وسلاطین سے میل جول کے قائل تھے۔ سرکاری نوکری اور عطیات وجاگیر جائز سمجھتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کے حکمران وقت کے ساتھ میل جول وتعلقات رکھنے کی وجہ سے ان کو دینی معاملات اور حکومت کے معاملات میں صحیح مشورہ

دیا جاسکتا ہے، راہ راست پر گامزن رکھا جاسکتا ہے اور بات منوائی جاسکتی ہے ۔ مال ودولت کی موجودگی بھی بوقت ضرورت لوگوں کی مدد کا باعث ہوتی تھی۔ شیخ الاسلام کا عہدہ اس سلسلہ کے بزرگوں کی ''اجارہ داری'' بن کر رہ گیا تھا۔

یہ لوگ سماع کے مقابلہ ذکر کے زیادہ قائل تھے۔ ملاقات عوام کے معاملہ میں سخت تھے شریعت کے معاملات میں از حدسخت تھے۔ اسی بناپر غیر مسلموں کے ساتھ ربط وضبط کے سلسلہ میں ''فراخ دل'' نہیں تھے، حالانکہ قاضی حمید الدین ناگوری اسی سلسلہ کے عظیم المرتبت بزرگ نے ''قوالی وسماع'' کے سلسلہ میں دہلی میں حکمراں وقت سے ٹکرلی۔ ان کا رسالہ ''اصول السماع'' در اصل سماع کی اہمیت وافادیت پر ہے۔ ان کا یہ نظریہ در اصل ان کی حضرت قطب صاحب خلیفہ حضرت خواجہ اجمیری سے بے پناہ صحبت، عقیدت ولگاؤ کی وجہ سے پیدا ہوا۔ شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی سہروردی ان کی اولاد اور دیگر خلفاء بھی سرکاری نوکریوں اور جاگیر ومال کے قائل رہے۔'' عوام سے دور رہ کر خواص سے رابطہ رکھا اور ہندوستانی معاشرہ کی دوسری رسم ورواج سے گریز کیا نتیجتاً یہ سلسلہ چشتی سلسلہ کے مقابلہ کم مقبول ہوا گوکہ اس کی آمد ہند چشتیوں کے ساتھ ہی ہوئی۔

قادریہ سلسلہ عبد القادر جیلانی کے نام سے موسوم ہے ۔ یہ سلسلہ ہندوستان میں کافی دیر سے پہنچا۔اس کے اولین بزرگوں میں شاہ نعمت اللہ قادری دکھن میں آئے۔اس کے بعد اُچہ(Ucha) میں عبد القادر ثانی کے زیر اثر اس کا مرکز بنا۔ اس سلسلہ کے اکثر افکار ونظریات سہروردی سلسلہ سے ملتے ہیں۔ ذکر کو سماع کے مقابلہ ترجیح اس سلسلہ میں بھی دیجاتی تھی۔ لیکن سہروردی کے سلسلہ کے مقالہ سے والیان حکومت اور جاگیرعطیات کے سلسلہ میں انہوں نے اعتدال سے کام لیا، نہ سختی سے انکار، نہ خوشی سے اقرار۔ وقت وحالات کے تحت جیسا ماحول اور موقع ہوا انہوں نے ویسا ہی کیا۔

شاہجہان کے دور میں اس سلسلہ کے عظیم ترین بزرگوں میاں میر نے شہرت پائی شاہجہاں ان کا معتقد تھا۔ داراشکوہ اور شہزادی جہاں آرابیگم بھی ان سے بیعت تھے۔ اس کا زیادہ تر گڑھ پنجاب میں رہا۔ پھر کشمیر اور ٹھورا سافر نیٹر کے علاقہ میں اثر ہوا۔

نقشبندی سلسلہ خواجگان نقشبندی سے جڑا ہوا ہے۔ ہندوستانی میں اس کی آمد مغلوں کے آمد سے جڑی ہوئی ہے۔ حضرت باقی با اللہ اس سلسلہ کے مشہور ومعروف بزرگ ہوئے۔ ان کے

خلیفہ حضرت خواجہ مجدد الف ثانی ہوئے جنہوں نے اکبری دور کے اواخر اور جہانگیری دور میں ایک نمایاں کردار ادا کیا اور بے راہ روی لامذہبیت کفر والحاد کے خلاف سختی سے آواز اٹھائی۔ نقشبندی حضرات بھی ذکر بالجہر کو پسند کرتے ہیں ان کا سماع کے متعلق سختی سے انکار ہے۔ حکومت سے میل جول کے سلسلہ میں کوئی سخت پابندی نہیں۔ ہاں! جاگیرات وغیرہ کے معاملہ میں بے نیاز رہتے تھے ۔ان کا سب سے زیادہ اثر اورنگ زیب عالمگیر پر نظر آتا ہے۔ شریعت کے معاملہ میں بہت ہی زیادہ احتیاط وسختی کے قائل ہیں۔ غیر مسلم اور شیعہ حضرات سے شروع میں میل جول کے خلاف رہے ۔ کشمیر افغانستان وفرنٹر کا علاقہ ان کے زیر اثر رہا۔ نقشبندیہ مجددیہ سلسلہ کی شاخ نے ان علاقوں میں کام کیا اور لوگوں کو پابند شریعت کیا۔

دیگر مشہور ومعروف شطاریہ، فردوسیہ سلاسل کے اثرات ایک مخصوص علاقہ تک محدود ہیں۔ شطاریہ سلسلہ چشتی سلسلہ کی طرح ہندوؤں جوگیوں سے میل جول اور ان کے عبادت ریاضت کے طور پر طریقوں پر یقین کرتے تھے، خاص کر یوگا وغیرہ سے متعلق۔ اسکے بانی شیخ عبد اللہ شطار بڑے صاحب جاہ وحشمت کے بزرگ ہوئے ان کا علاقہ مالوہ گجرات وغیرہ وہا۔

فرودوسیہ سلسلہ تیرہویں صدی میں ہند آیا۔ شیخ شرف الدین یحیٰ منیری تاج المحققین کہلاتے ہیں۔ ان گنت تصانیف ان کی موجود ہیں۔ یہ سلسلہ بھی اعتدال پسند تھا اور اس کا علاقہ زیادہ تر بہارو بنگال رہا۔ آخر الذکر دونوں سلسلہ اور سلاسل کے مقابلہ چشتی سلسلہ کے قریب نظر آتے ہیں۔ ان کی روش چشتیوں کے طورطریقوں سے زیادہ ملتی جلتی ہے۔

ماحصل (خلاصہ) Conclusion

یہ ہے کہ سرزمین ہندستان رشیوں منیوں اور اوتاروں کا دیش ہے، جہاں صوفیائے کرام نے خاص کر چشتی سلسلہ کے بزرگوں نے اللہ کی وحدانیت ، رسولؐ کی عظمت ، اسلام کے ارکان اور تصوف کے زرین اصولوں کو پیش کیا، ان کی اشاعت وتبلیغ کی اور پروان چڑھایا۔ تصوف مکمل طور پر اسلامی آداب احکام واخلاق پر مبنی ہے اور خالص اسلامی رنگ لئے ہوئے ہے مگر قوس قزح کی طرح اس میں دیگر رنگوں کی بھی ہلکی آمیزش ہے۔ تزکیۂ نفس/فنافی اللہ، خدمت خلق کے ذریعہ حاصل حق کا یہ منفرد پہلو صوفیائے کرام نے اجاگر کیا اور نجات کا واحد ذریعہ بنایا۔

چشتی سلسلہ کے بزرگوں نے ہندوستانی معاشرہ کے خدوخال کو سمجھتے ہوئے خود کو اس انداز میں ڈھالا اور اپنے فکر وانکار اور کردار سے یہاں کے عوام کو وہ روشنی عطا کی جو ان کے لئے نہ صرف قابل قبول تھی بلکہ باعث افتخار وناز بھی تھی۔

دوسرے سلاسل سہروردی نقشبندی قادری سلسلہ کے بزرگوں نے بھی اس دھرتی پر اپنا وجود کھڑا کیا مگر حقیقتاً سبھی چشتی طریقہ کے زیر سایہ نشو نما پاتے رہے اور ایک طرح سے باہم شیر و شکر ہوگئے۔ چشتیوں کی وسیع القلبی برادرانہ روش، صلح کل کے مشن کو پروان چڑھانے میں مددگار ثابت ہوئی اور ایک ایسے سماج کی تشکیل کرنے میں معاون ہوئی جس میں مذہب وملت، رنگ ونسل، اونچ نیچ ذات پات جیسی مہلک بیماریوں کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ حکومت قائم کرنے والے حکمرانوں سے زخم خوردہ عوام کے لئے ان بزرگوں نے مرہم کا کام کیا اور نفرت کی آندھی کو اپنے پیغام محبت اخوت سے روکا۔ یہی وجہ ہے کہ چشتیہ سلسلہ اس برصغیر ہند میں ایک عظیم ترین انقلاب کے روپ میں ابھرا اور سارے علاقے میں بالخصوص جنوبی ایشیا میں اپنے زبردست اثرات آج تک قائم رکھے ہوئے ہے۔

ان بزرگان دین صوفیائے کرام کی خانقاہیں ودرگاہیں آج بھی مرکز تعلیمات کا مظہر ہیں، جہاں روحانیت، انسانیت اور آدمیت برستی ہے گوکہ زمانہ کے اعتبار سے اب مادہ پرستی بھی اور اغراض ولالچ کی چند ہلکی ہلکی جھلکیاں بھی نظر آنے لگی ہیں مگر یہ وقتی طور پر ابھرے ہیں اور سلسلہ کی مضبوط کڑیاں اس کو پنپنے نہیں دیں گی۔ آج کے اس نفرت، فرقہ واریت اور شدت پسندی کے دور میں صوفیائے کرام کی تعلیمات ہی برائیوں کا سد باب کرسکتی ہیں اور ان کا واحد علاج تصوف اور صوفی خانقاہوں اور درگاہوں میں مل سکتا ہے اور ان کا پیغام امن اور صلح کل سماج و ملک کو بچاسکتا ہے۔

☆